اسلام میں قاضی کی حیثیت و اہمیت

جناب ڈاکٹر منیر احمد مغل ممبر انسپکشن ٹیم ہائیکورٹ لاہور

اسلامی نظام حکومت جس کی بنیاد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر قائم ہوئی ہے اس کے چلانے والے تمام شعبے یا ادارے صدق و عدل پر کاربند ہو کر معاشرے کے ہر فرد سے انہی کی پابندی کرواتے ہیں چنانچہ قرآن پاک میں اس بات کی طرف واضح اشارات موجود ہیں کہ عدل اسلامی نظام زندگی کا بنیادی اصول ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ۔

اور آپ کے رب کا کلام صدق و عدل کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی شکل میں ایک ابدی و سرمدی اور مکمل ضابطۂ حیات پیش فرمایا ہے اس لئے قرآن نے اور آپؐ نے سب سے زیادہ "عدل" پر زور دیا۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (۱۶: ۹۰)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا حکم کرتا ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ۔ (۷: ۲۹)

کہہ دیجئے میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ [1]

تم لوگ جب لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں مطلقاً عدل کا حکم فرمایا گیا ہے کسی کی تخصیص یا امتیاز کا ذکر نہیں ہے۔

اگر غیر مسلموں کے معاملات در پیش ہوں تو بھی ارشاد فرمایا گیا:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [2]

اگر تم (یہودیوں کے معاملات کا) فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ [3]

(نبی اکرمؐ) آپؐ یہود سے کہہ دیں کہ میں تو اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے۔ میں تمہارے درمیان بھی عدل کو قائم رکھوں۔

یہاں بھی بات صاف کر دی کہ عدل عادلانہ قانون کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔ اور عادلانہ قانون وہی ہے جو خدائے عدل نے اتارا ہے۔

قضا کے بارے میں بطور خاص فرمایا:

---

[1] النساء: ۵۸

[2] المائدہ: ۴۲

[3] سورۃ الشوریٰ: ۱۵

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ هُمْ
عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔ (المائدہ: ۴۸)

"ان آیات واحکام کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرو جن کو اللہ تعالےٰ نے اتارا ہے اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔"

جو لوگ خدا تعالیٰ کی اتاری ہوئی آیات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنی فیصلہ یہ ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۔ (۵:۴۷)

اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۔ (۵:۴۵)

اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ۔ (۵:۴۴)

اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

ان آیات کریمہ نے شیطان کی جملہ چالوں پر ضرب کاری لگائی ہے کہ کہیں وہ ان لوگوں کے دلوں میں جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وسوسہ نہ ڈال سکے کہ چلو ہم فاسق ہی ہیں اور اس فسق کی وجہ سے دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو گئے یا یہ کہ ہم ظالم ہی سہی مگر یہ ظلم ہمیں اسلام سے باہر تو نہ نکال دے گا۔ یا یہ کہ چلئے ہم نے اپنی جان پر ہی ظلم کیا ہے ایمان تو قائم ہے۔ قرآن پاک نے ایسی تمام دلیلوں کو باطل قرار دیکر فیصلہ کن اور غیر مبہم الفاظ میں ان کی حیثیت واضح فرما دی کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں۔ خدائی احکام کے ہوتے ہوئے ان نافرمانوں نے اسے پس پشت ڈال کر غیر اللہ کے احکام کو

ان سے برتر اور قابل نفاذ سمجھا اور صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ اس پر مستنزاد اس کے مطابق فیصلہ کرنا حق سمجھا جو صریحاً ظلم عظیم ہے اور ایک قسم کا شرک ہے پس ان کی یہ نافرمانی اور ان کا یہ ظلم ان کے ایمان کو لے ڈوبا اور وہ کافرین کے زمرے میں خود اپنے قول و فعل سے آداخل ہوئے۔

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور متقیوں کے لئے راہبر و راہنما ہے۔" عدل "کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ تقویٰ کے قریب ترین ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک انسان میں جتنی خدا خوفی زیادہ ہوگی اتنا ہی " عدل "کے وہ قریب ترین ہوگا۔

اس راستے کی سب سے بڑی مشکل ہوائے نفس کی اتباع ہے قرآن پاک میں جہاں عدل و انصاف کو خدا کے اتارے ہوئے احکام کی روشنی میں سرانجام دینے کا حکم ہے وہیں اتباع ہویٰ سے بھی منع فرما دیا گیا ہے۔

اس راستے کی دوسری مشکل یہ ہے کہ دوست احباب و عزیز اقرباء ایک طرف ہوں اور دشمن و مخالف دوسری طرف تو میلان طبع کا دوستی و محبت و قرابت کی طرف ہو جانا بدیہی امر ہے اسی طرح دشمن کو مزا چکھانے کی ہوس بھڑک سکتی ہے قرآن پاک نے اس خطرناک اقدام کی پیش بندی ان الفاظ میں فرما دی:

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز (المائدہ ۵ : ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان کے مابین عدل و انصاف نہ کرو بلکہ عدل و انصاف ہی کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔

انصاف کی جتنی کڑیاں ہو سکتی ہیں ان میں سے ایک ایک کو لیا گیا اور ہر ہر

مرحلہ پر تاکیداً حکم دیا گیا کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

مقدمات کے لیے بعض اوقات تحریر و دستاویز کی ضرورت ہوتی ہے ارشاد فرمایا گیا۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ۔ (البقرہ : ۲۸۲)

تمہارے درمیان لکھنے والا عدل و انصاف سے لکھے۔

گواہوں کو حکم ہوا۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ۔ (الانعام: ۱۵۲)

جب تم کوئی بات کہو تو عدل سے کہو اگرچہ یہ بات تمہارے رشتہ دار کے متعلق ہو۔

یعنی اگر یہ عدل تمہارے رشتہ دار کے خلاف پڑتا ہے تو رشتہ داری کی وجہ سے عدل کا دامن نہ چھوڑ بیٹھنا بلکہ اس کو پورا کرکے چھوڑو۔ یہ خطاب ایک گواہ کو بھی ہوسکتا ہے اور ایک قاضی کو بھی۔ گواہی ہو یا فیصلہ عدل و انصاف ملحوظ خاطر رہے چاہے کسی اپنے کے خلاف ہی کیوں نہ جا پڑے۔

ایک اور مقام پر اس کی مزید تفصیل بیان کی گئی۔ ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ۔ (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر قائم ہو جاؤ خدا کی خاطر گواہی دینے والے، صحیح صحیح بات کرو چاہے تمہارے اپنے خلاف ہی پڑتی ہو یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف۔

إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا۔ (النساء: ۱۲۵)

جس کے متعلق تمہیں حق بات کہنی ہے چاہے وہ غنی ہو یا فقیر تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ قریب ہے۔

یعنی وہ علیم وخبیر پوری طرح جانتا ہے کہ اس کے حق میں کیا بات مفید ہے تم نے اگر وقتی طور پر امیر کا ساتھ دے دیا یا غریب پر ترس کھا کر جھوٹ بول دیا تو ہو سکتا ہے دنیا میں ان کو تمہارے جھوٹ کی وجہ سے کچھ فائدہ پہنچے مگر آخرت میں تو یہ جھوٹ تمہارے اور ان کے لیے (دونوں کے لیے) وبال ثابت ہوگا۔ تم آگے کے حالات سے بے خبر ہو اس لیے خالق و مالک کی بات پر عمل کرو اور سچ سچ بات کہہ یا لکھ دیا کرو۔

عدل وانصاف کی راہ میں

حصولِ انصاف میں سب سے بڑی رکاوٹ اور اس کا انسداد

سب سے خطرناک اور بڑی رکاوٹ ڈالنے والی چیز رشوت خوری ہے۔ اس کی نسبت ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ
تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ
النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ ۲: ۱۸۸)

اور اپنے درمیان اپنے مال کو ناروا طور پر نہ کھاؤ اور اس کو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ جان بوجھ کر خورد برد کر جاؤ۔

اس آیت کریمہ نے رشوت کے تمام ظاہری اور باطنی پہلوؤں کی واضح نشاندھی کر دی ہے۔ رشوت دینے والا ناجائز کام کروانے کی خاطر مال دے رہا ہوتا ہے۔ جو صریحاً حرام ہے اور رشوت لینے والا ناجائز کام کرنے کی خاطر مال وصول کرتا ہے جو کہ حرام ہے کسی حقدار کو حق نہ دینا یا کسی حقدار کا حق چھین کر کسی غیر حقدار کو دے

دینا یا کسی کی حق رسی میں اس وقت تک تاخیر کرتے چلے جانا جب تک وہ تنگ آکر رشوت نہ دے یہ ساری باتیں ایک مسلمان کے لیے ممنوع اور حرام ہیں۔

ظاہر و باطن کا تزکیہ فرمانے والے رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

اَلرَّاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ کِلٰھُمَا فِی النَّارِ۔

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت فرمائی۔ [1] رشوت کی ایک اور معصوم شکل تحفے اور ڈالیوں کی ہوتی ہے جسے حکام کو دینے والے بڑے پرفریب انداز میں پیش کرتے ہیں اور قبول کرنے والے بڑی بڑی توجیہات کے ساتھ شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ جبکہ رشوت حرام ہے اور ہر رنگ میں حرام ہے شیطان نے ہر دور میں انسان کو یہ غلط راستے دکھائے ہیں اور گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابو حُمید ساعدی کہتے ہیں کہ قبیلہ اسد کے ایک آدمی کو جس کا نام اِبنُ اللُّتبِیہ تھا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا محصل بنا کر بھیجا جب وہ واپس آیا تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ مال تو آپؐ کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ آپؐ یہ سن کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

مابال عامل ابعثہ فیتقول ھٰذا لکم وھذا اھدی لی افلا

---

[2]

[1] ابوداؤد سنن، جلد سوم۔ کتاب القضا۔ باب فی کراہیۃ الرشوۃ۔

تعد فی بیت ابیہ او فی بیت امہ حتی ینظر ایھدی الیہ ام لا [۱]

میں تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کاموں کے لیے حاکم بناتا ہوں جو اللہ کریم نے میرے سپرد کیے ہیں تو تم میں سے کوئی آکر کہتا ہے کہ یہ آپؐ کا حصہ ہے اور یہ ہدیہ ہے جو لوگوں نے مجھے دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس کیوں نہیں بیٹھا رہا۔ میں پھر دیکھتا کہ گھر بیٹھے اسے وہ ہدیہ دیا جاتا یا نہیں۔

اِس ضمن میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان عام بڑا فکر انگیز ہے،

انہوں نے اپنے تمام حکام کو لکھ بھیجا "ہدیہ قبول نہ کیا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔"

ابن جریر ازدیؒ نے اس کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر سال اونٹ کی ران کا ایک ٹکڑا بطور تحفہ پیش کرتا تھا ایک بار اس کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے آیا تو اس نے کسی نہ کسی طرح بات نکال کر بالواسطہ اونٹ کی ران کا ذکر کیا تاکہ اس طرح انہیں اس کے سابقہ تحفے کی یاد تازہ ہو جائے۔ محرم اسرار وحی حضرت فاروق اعظمؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور آپؓ نے آئندہ کے لیے اپنے تمام حکام کے نام فرمان جاری کر دیا۔

"ہدیہ قبول نہ کیا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضورؐ اکرم کا دوسرا ارشاد یوں روایت کیا ہے: فیصلہ کرنے میں رشوت لینا کفر (کے مترادف) ہے اور لوگوں کے درمیان رشوت حرام کمائی ہے۔ [۲]

---

[۱] مسلم۔ کتاب الامارہ۔ لاہور۔ سن۔ ن م۔ ص ۱۱۹۲۔

[۲] طبرانی۔

مغربی اور اسلامی تصورِ انسان میں بعد المشرقین ہے۔ مغرب والوں کے نزدیک انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جبکہ اسلامی قرآنی تصور یہ ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ تصورات کے اس بُعد نے فرشی ہوتے ہوئے عرشی کے قانون کو نافذ کرنے والا نائب بنا دیا۔ ذمہ داریاں منصب کی مناسبت سے ہوا کرتی ہیں۔ بلند مرتبہ کے لیے بلند حوصلگی بھی ضروری ہے اور اس راہ کی رکاوٹیں بھی بڑی شدید ہیں۔ سب سے بڑا حملہ اتباعِ نفس یا اتباعِ ہوا کی شکل میں ہوتا ہے جس کی پیروی جانوروں کی سطح پر لے آتی ہے اور جس کی مخالفت فرشتوں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔

قاضی کا نصب اور تقرر

سلطان خواہ عادل ہو یا جائر قاضی مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے تاہم سلطان جائر کی طرف سے پیش کردہ عہدہ قضاء قبول کرنا کسی شخص کیلئے اسوقت جائز ہوگا جب وہ محسوس کرے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا امکان موجود ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ ہرگز عہدۂ قضاء قبول نہ کرے۔

رہی یہ بات کہ منصب قضا میں بخوشی شمولیت جائز ہے یا ناجائز۔ تو امام خصاف کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ منصب قضاء میں بخوشی شمولیت کر لینا رخصت کے درجہ پر ہے جب کہ اس سے باز رہنا عزیمت کے درجہ پہ ہے۔ یعنی قضا بخوشی قبول کرنا ناجائز نہیں ہے لیکن اس سے پہلوتہی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

انبیاء کرام، رسل، خلفائے راشدین اس میں خوش دلی سے مشغول ہوئے۔ اور ان لوگوں سے بہتر اور کون منصب قضاء پر فائز ہو سکتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ خلفائے راشدین کی نیابت اور اللہ کی حدوں کو قائم کرنا ہے۔

جو بزرگ منصب قضاء قبول کرنے سے رُکے ہیں ان کا مؤقف یہ ہے کہ قاضی

قضاء بالحق پر مامور ہے۔ اور حق کے مطابق فیصلہ کرنا دوسرے کی امداد کے بغیر ممکن نہیں اور ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو اس کام میں امداد دے یا نہ دے۔

قاضی کے فرائض امام ماوردی فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کے اختیارات عام ہوں تو وہ دس احکام کو مشتمل ہوں گے۔

۱۔ تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا۔

۲۔ جب کسی کا حق دوسرے کے اُوپر اقرار یا شہادت سے ثابت ہو اور وہ دینے میں تاخیر کرتا ہو تو صاحبِ حق کو اس کا حق دلانا۔

۳ جنون اور بچپن کی وجہ سے جن کے تصرفات روک دیئے جائیں ان کے مالوں پر نگران مقرر کرنا۔ دیوالیہ اور بے وقوف کے معاملات پر حجر (رکاوٹ) قائم کرنا تاکہ مستحقین کا مال محفوظ رہے اور اس کی عقود سے احکام صحیح ہو سکیں۔

۴۔ اوقاف کی نگرانی یعنی اصل جائداد کی حفاظت۔ منافع کی ترقی۔ ان کی وصولی اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا۔ اگر اوقاف کا کوئی جائز متولّی موجود ہو تو اس کی نگرانی رکھنا ورنہ خود متولّی بننا اس لیے کہ ولایت عام خاص نہیں ہو سکتی۔ مگر ولایت خاص عام ہو سکتی ہے۔

۵۔ وصیتوں کا نفاذ ان کی شرائط کے مطابق بشرطیکہ جائز امور کے متعلق ہوں، ممنوعات شرعیہ کے لیے نہ ہوں۔ اگر وصیت کنندہ نے وصی مقرر کر دیا ہے تو اسکی نگرانی کرے ورنہ خود ہی انجام دے۔

۶۔ بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں اور ان کے رشتے آتے ہوں تو ہم کفو لوگوں میں ان کے نکاح کرانا۔ امام ابو حنیفہؒ یہ فرض قاضی سے متعلق نہیں فرماتے ان کے نزدیک بیوہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

۷۔ جو لوگ حدود (سزاؤں) کے مستوجب ہیں اُن پر ان کا جاری کرنا۔ اگر حقوق اللہ سے متعلق ہیں تو اقرار یا شہادت سے ثابت ہونے کے بعد بلا کسی مطالبہ کرنے والے کے خود ہی قائم کر دے اور اگر حقوق العباد سے متعلق ہیں تو مستحق کے طلب کرنے پر قائم کرے۔ اور امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ دونوں کو کسی مدعی کے مطالبہ کرنے پر قائم کر سکتا ہے۔

۸۔ حلقۂ حکومت کی مصالح کا لحاظ رکھے۔ کسی شخص کو راستوں میں کوئی عمارت وغیرہ نہ بنانے دے۔ بلا استحقاق بنائے ہوئے سائبان اور عمارت وغیرہ گرا دے۔ یہ انتظام بھی بلا مطالبہ مدعی خود ہی کر سکتا ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مستغیث کے دعوے کے بغیر نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ یہ انتظام حقوق اللہ میں داخل ہے اس لیے اس میں مستغیث اور غیر مستغیث برابر ہیں۔ لہٰذا خود ہی اس کا لحاظ رکھے۔

۹۔ اپنے امین اور شاہدوں کی جانچ پڑتال کرتا رہے نیک چلن اور خوش انتظام ماتحتوں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھے۔ بدچلن خائنوں کے بجائے بہتر لائق آدمیوں کا تقرر کرے یا قابل ہوشیار کو ساتھ لگا دے تاکہ مل کر اچھا انتظام کریں۔

۱۰۔ تصفیہ مقدمات میں زور آور، کمزور اور شریف وغیر شریف میں کوئی فرق نہ رکھے اور نہ اپنے نفس کا تابع ہو کر حقدار کی حق تلفی اور غیر حقدار کی جانبداری کرے۔ [1]

منصب قضا حضرت فاروق عمر کی نظر میں

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت

---

[1] الماوردی الاحکام السلطانیہ۔ باب ششم۔ ص ۱۲۵۔ ۱۳۲

میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو شرائط قضا اور اس کے آئین لکھتے ہوئے فرمایا،

" امابعد قضاء ایک زبردست فرض اور قابلِ عمل سنّت ہے مقدمات اور ان کی سفارشات سامنے ہوں تو عقل و انصاف سے کام لو۔ جس حق بات کا نفاذ نہ ہو اُس کا زبان سے نکلنا بے سود ہے۔ ملاقات، انصاف اور ہم نشینی میں مساوات کا خیال رکھو۔ باا ثر آدمی یہ توقع نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ رعایت کروگے اور نہ کمزور آدمی تمہارے عدل سے مایوس ہو۔ مدعی کے ذمہ شہادت شرعی ہے اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔ دو مسلمانوں میں صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس صلح سے حرام کو حلال نہ کر دیا جائے۔ اپنا سابقہ فیصلہ آئندہ بطور نظیر کے استعمال کرنا ضروری نہ سمجھو اگر غور و تدبر کے بعد حق کی طرف راہنمائی ہو تو اس کو اختیار کرو، حق کی طرف مراجعت کرنا باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اگر کسی امر کے متعلق قرآن و حدیث سے فیصلہ معلوم نہ ہو اور قلب پریشان ہو تو عقل اور صرف عقل سے کام لے کر نظائر اور امثال پر قیاس کرو۔ اگر مدعی کہتا ہے مدعا علیہ یا شہادت حاضر نہیں ہے تو اس کے لیے مدت معین کر دے اگر شہادت پیش کر دے تو اس کا حق دلا دے ورنہ اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دے۔ شک و شبہ سے بچنے کے لیے یہی صورت ہو سکتی ہے مسلمان مسلمان کے خلاف شاہد ہو سکتا ہے باستثنا اس کے جس پر حد کے کوڑے لگے ہوں یا جھوٹی شہادت کا سزا یافتہ ہو یا اہل خانہ میں سے ہو یا ایسا شاہد ہو کہ اس کی شہادت اسی کے حق میں پلٹتی ہو۔ جیسے والدین کے حق میں اولاد

کی شہادت یا اس کے برعکس) دنیا میں مذمت اور آخرت میں وبال گواہی اور قسم کے سبب ہٹا لئے گئے ہیں۔ مقدمات کے تصفیہ میں گھبراہٹ پریشانی یا ملال کو پاس نہ آنے دو۔ حق حقدار کو پہنچانے کا اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے گا۔" [1]

اسلام میں عہدہ قضا کی اہمیت

اختیارات کی تفویض اور استعمال کے بارے میں اسلام کے اپنے اصول ہیں اور قرآن مجید اور احادیث نبوی میں ان کا پورا پورا ذکر فرما دیا گیا ہے تاکہ منصب خلافت ہو یا عدالت اس کو قبول کرنے والا یہ جان لے کہ یہ ذمہ داری پھولوں کی سیج نہیں چنانچہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

۱۔ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ [2]

جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

---

[1] دار قطنی۔ ص ۵۲۱۔

امام خصاف۔ ادب القاضی۔ جلد اول۔ مطبوعہ عراق۔ پیرا نمبر ۶۳-۹۸۔

ابن قتیبہ عیون۔ ۱: ۶۶۔

بیہقی۔ ۱۰: ۱۰۶۔

کنز العمال۔ ۳: ۱۲۴۔

ازالۃ الخفا۔ ۲: ۱۱۹۔

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط۔ ڈاکٹر خورشید احمد لاہور۔ مارچ ۱۹۷۹ء ص ۲۴۳، ۲۴۴۔

[2] ابوداؤد۔ سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء، کراچی۔ ج ۲، ص ۸۶۔

مَنْ وُلِّیَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ [1]

جو شخص قاضی مقرر ہوا وہ بے چھری ذبح کر دیا گیا۔

۳ - الامارۃ امانۃ وھی یوم القیامۃ خزیٌ وندامۃ الّا من اخذھا من حقھا وادّی الّذی علیہ واَنّٰی ذٰلک [2]

امارت (حکومت) ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن رسوائی ہے اور شرمندگی، مگر اس شخص کے لیے رسوائی و شرمندگی نہیں جس نے امارت و حکومت کا حق ادا کر دیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی اور یہ ادائیگی حقوقِ حکومت اور پوری ذمہ داری سے سبکدوشی) ہوتی ہی کہاں ہے؟

طبرانی اور بزار سندِ صحیح سے حضرت عوف بن مالکؓ سے بایں الفاظ روایت لائے ہیں۔

اولھا ملامۃ وثانیھا ندامۃ وثالثھا عذاب یوم القیامۃ الا من عدل [3]

کہ امارت و حکومت کا پہلا حصّہ ملامت ہے دوسرا حصّہ شرمندگی ہے۔ اور تیسرے میں قیامت کا عذاب ہے مگر وہ شخص جو عدل و انصاف سے کام لے۔

---

[1] احمد البیہقی۔ السنن الکبریٰ۔ طبع اولیٰ۔ حیدرآباد دکن ۱۳۴۴ھ جلد ۱۰۔ ص ۹۶ - ۹۵ نیز ابوداؤد سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء۔ کراچی۔ ج ۳۔ ص ۸۶۔

[2] مسند امام اعظم۔ کتاب الاحکام۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۳۸۶۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ فرمانِ خداوندی اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ سے یہی سنگین امانت حکومت مراد ہے اور اس میں بھی اسی امانت کی اہمیت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ حقیقت میں اگر انسان کے دل و دماغ میں حکومت کی یہ اہمیت بیٹھ جائے تو انسان حکومت کی ذمہ داری سے ایسا ڈرے جیسا کہ ہر شخص موت سے ڈرتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں قضا ایک گرانبار بوجھ ہے اور اس کے لیے اقدام کرنا ہلاکت کا مظنّہ ہے۔ الا ماشاء اللہ خدا ہی بچانا چاہے تو بچ سکتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے۔

مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وَاسْتَعَانَ عَلَيْهِ وُكِّلَ إِلَيْهِ وَمَنْ لَمْ يَطْلُبْهُ وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللّٰهُ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ۔

جس شخص نے قاضی کا منصب خود چاہا اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دوسروں کی مدد چاہی تو یہ منصب تنہا اسے سپرد کر دیا گیا اور جس شخص نے نہ اس کو چاہا نہ اس کے حاصل کرنے میں دوسرے کی مدد کا خواستگار ہوا اس کے لیے خدا ایک فرشتہ کو آتا رہے گا جو اس کو سیدھا راستہ دکھلائے گا۔[۱]

نیز آپؐ نے فرمایا۔

من ابتغی القضاء وسأل فیه شفعاء وکل الی نفسه ومن اکره علیه انزل اللّٰه علیه ملکاً یسدّده۔

جس نے قضاء کی خواہش کی اور طالب ہوا تو اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائیگا اور

---

[۱] ابوداؤد۔ سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء والتسرع الیه۔ کراچی۔ ۳۲۰۔ ص ۸۸۔

جسے مجبور کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فرشتہ اتارتا ہے جو اسے سیدھی راہ چلاتا ہے۔ [۱]

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ قضاء کا طالب اکثر وہی ہوتا ہے جس کے اندر مال وجاہ کی طلب اور دشمنوں سے انتقام لینے اور اس قسم کے دیگر جذبات موجود ہوا کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں خلوص ونیک نیتی پیدا نہیں ہو سکتی جو اس کے حق میں نزول برکات الٰہی کا سبب اور موجب ہے [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

القضاة ثلٰثة واحد فی الجنة و اثنان فی النار۔ فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضٰی بہ و رجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو فی النار و رجل قضٰی للناس علیٰ جھل فھو فی النار۔

قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک جنت میں جائے گا اور بقیہ دو جہنم میں وہ قاضی جنت میں جائے گا جس نے حق کو سمجھ کر فیصلہ کیا اور جس قاضی نے حق کو سمجھا لیکن ظالمانہ فیصلہ کیا وہ جہنم میں جائیگا اور جس نے بے سمجھے بوجھے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ [۳]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

---

[۱] ترمذی، جامع۔ ابواب الاحکام۔

[۲] حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد دوم۔ صفحہ ۸۴۴۔

[۳] ابوداؤد، سنن۔ کتاب القضا باب فی طلب القضاء۔

قضاء کا مستحق وہ ہے جو عادل ہو اور ظلم و جور اور جانبداری کے جذبات سے پاک صاف ہو اور یہ باتیں اسکی طرف عام طور پر معروف و مشہور ہوں۔ نیز وہ عالم ہو کہ حق کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو۔ خصوصاً مسائل قضاء کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔ اور اسکی حکمت بالکل واضح اور روشن ہو کہ ان امور کے بغیر اصل مقصود و مطلب پورا نہیں ہو سکتا اور اصل مصلحت و حکمت متصور ہی نہیں ہو سکتی ۔[1]

بات یہ ہے کہ حق و انصاف کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ہے۔ جس نے اس سے ہٹ کر اور اس سے جاہل رہ کر فیصلہ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور ایسے گمراہ و گمراہ کن کی سزا عذاب دوزخ ہی ہے اور جو جان بوجھ کر عالم بدعمل بن کر لوگوں کو گمراہ کرے اور غلط فیصلے دے تو یہ پہلے سے بڑھ کر بڑا جرم ہے۔ اب رہا تیسرا تو کیا کہنے یہ اللہ کی کتاب کی رُو سے فیصلہ دیتا ہے اور لوگوں میں اللہ کا سچا فرمان جاری کرتا ہے اور یوں زمین میں اللہ کی سچی خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے تو ایسا قاضی جنت کا حقدار کیوں نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

۴۔ لَا نُوَلِّیْ هٰذَا مَنْ سَأَلَهٗ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ ۔[2]

ہم اس شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس عہدے کا سوال کرے یا اس پر حریص ہو۔

۵۔ لن نستعمل او لا نستحمل علیٰ عملنا من ارادہ ۔[3]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۸۔

[2] ابوداؤد

[3] ابوداؤد۔ سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء والتسرع۔ کراچی ۲۰ ۳۔ ص ۸۸۔

ہم کسی ایسے شخص کو کام پر مقرر نہیں کریں گے جو اس کی خود چاہت کرے۔

یہ سب احادیث شریفہ تحذیر عن طلب القضاء پر دال ہیں

قاضی کا اجتہاد حضور اکرم کا فرمان ہے۔

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد فاخطأ فله اجر واحد۔

حاکم جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں صحیح نتیجے پر پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اگر اس نے اجتہاد کیا اور اس سے خطا ہوئی جب بھی اسے ایک اجر ملے گا۔

بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "یہاں" اجتہاد" کے معنی یہ ہیں کہ اس نے استدلال وحجت کی اتباع کرنے میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دی اور" اجتہاد" کا حکم اسی لیے فرمایا کہ تکلیف بقدر وسعت وطاقت کے ہوا کرتی ہے اور انسان کی وسعت وطاقت صرف اسی قدر ہے کہ وہ اجتہاد وسعی سے کام لے۔ حق تک پہنچنا اس کی قدرت سے باہر ہے۔[1]

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے عمرو بن العاص کے پاس مقدمہ کا فیصلہ کروایا مگر جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ ناراض ہو گیا اور عمرو بن العاص کے فیصلہ کو تسلیم نہ کیا۔ پھر حضور اکرم کی خدمت اقدس میں آیا اور مقدمہ بیان کیا اور عمرو

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مترجم: ج ۲: ص ۲۶۷۔

کا فیصلہ بھی بتلایا۔ آپؐ نے فرمایا اگر قاضی اپنی پوری کوشش سے فیصلہ کرتا ہے اور درست کرتا ہے تو اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں اور اگر کوشش کے باوجود اس کا فیصلہ غلط ہوتا ہے تو اس کو ایک نیکی ملتی ہے۔ [1]

معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے مجھے فیصلہ کرنے کو فرمایا۔ میری معذرت پر آپؐ نے فرمایا فیصلہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ عمداً ظلم نہ کرے۔ اگر صحیح فیصلہ ہوا تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر غلط ہوا تو ایک نیکی۔ [2]

پس ثابت ہوا کہ اسلامی نظامِ عدل میں قضاء ایک عبادت ہے بشرطیکہ قاضی خلوصِ نیت کے ساتھ حق کو پانے کے لیے پوری پوری کوشش کرے۔ نیک نیتی سے کی گئی جدوجہد کے نتیجے میں اگر قاضی نے حق پا لیا تو دوہرا اجر اور اگر نیک نیتی سے اجتہادی غلطی بھی ہو گئی تو ایک اجر اس کو مل کر رہے گا۔

منصبِ قضا کے تقاضے

امام المفسرین، رئیس المحدثین، مجدد ملت، شیخ الاسلام حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

"ایسی ضروریات جن کا بکثرت وقوع ہوتا رہتا ہے اور جن کے مفاسد بہت سخت مضرت رساں ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کے باہمی مناقشات اور جھگڑے ہیں۔ یہ مناقشات باہمی عداوت بغض و کینہ فساد ذات البین اور باہم ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کا باعث

---

[1] عبد الرحمٰن البناء۔ فتح الربانی۔ مطبوعہ قاہرہ۔ کتاب القضاء۔ جلد ۱۵۔ ص ۲۰۷۔

[2] احمد بن حنبل۔ مسند۔ بیروت۔ جلد ۵۔ ص ۲۶۔ تحت احادیث معقل بن یسار۔

اور موجب ہوا کرتے ہیں نیز حریص وطماع لوگوں کے دلوں میں پامالی حق کے جذبات ابھار دیتے ہیں جس کی وجہ سے نہ تو وہ کسی کی دلیل سنتے ہیں نہ کسی کی حجّت مانتے ہیں پھر واجب وضروری ہوا کہ ملک کے ہر ہر گوشہ میں قاضی مامور کئے جائیں جو حق و صداقت کے ساتھ لوگوں کے مقدمات فیصل کیا کریں۔ اور ان فیصلوں پر جبراً عمل کرائیں

چونکہ قضاء اور فیصلوں میں ظلم وجور اور بے انصافی کا مظنّہ اور احتمال ہے۔ اس لیے واجب وضروری ہوا کہ قضاء کے بارے میں ظلم وجور کرنے سے روکا جائے اور انہیں اچھی طرح ڈرایا جائے۔ نیز قضا کے لیے ایسے قوانین وکلیات اور ضوابط بنائے جائیں جن پر عام طور پر احکامات ترتیب پا سکیں۔ [۱]

شرائط منصب قضا فقہائے اسلام نے قاضی کی تقرری کے لیے یہ شرائط ضروری قرار دی ہیں۔

(۱) رجولیت { ا۔ مرد ہونا۔ ب۔ بالغ ہونا۔ }

(۲) عاقل ہونا۔

(۳) آزاد ہونا۔

(۴) مسلمان ہونا۔

(۵) عادل (یعنی صادق القول۔ امین، پاک دامن) پرہیزگار شبہات سے محفوظ۔ خوشنودی وخفگی میں یکساں قابل اطمینان اور اپنے ہم رتبہ لوگوں سے مروت کو کام میں لانے والا) ہونا۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اردو ترجمہ محمد اسماعیل چوہدری۔ جلد دوم۔ ص ۷۴۴۔

۶ ۔ قوت سامعہ اور باصرہ میں سلامت ہونا۔

۷ ۔ علوم شرعیہ کے اصول اربعہ (کتاب اللہ۔ سنّت رسول اللہ۔ اجماع اور قیاس) سے واقفیت تامہ رکھنا اور فروع میں اعلیٰ مہارت رکھنا۔ [1]

عدالت کا طریق کار سرورِ کونین مہبطِ وحی الٰہی جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا:

اذا تقاضنا الیک رجلان فلا تقض للاول حتّی تسمع کلام الاٰخر فانہٗ احریٰ ان یتبین لک القضاء [2]

جب دو آدمی تم سے قضاء اور فیصلہ چاہیں تو جب تک تم دوسرے کی بات نہ سن لو پہلے کی بات پر فیصلہ نہ کرو کیونکہ دوسرا شخص اس قابل ہے کہ وہ تم پر قضا کا معاملہ واضح کر دیوے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ جب ہر دو جانب کی دلیلیں اور حجتیں سن لی جاتی ہیں تو وجہ ترجیح خوب واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی فرماتے ہیں کہ قضاء کے دو مقام ہیں جن پر خاص توجہ ضروری ہے۔

اول یہ کہ قاضی اصل چیز اور اصل وجہ نزاع کو اچھی طرح سمجھ لے کہ مدعی اور

---

[1] ملاحظہ فرمائیے۔ ادب القاضی۔ للخصاف۔ جلد اول۔ باب اول۔ طبع بغداد۔ الاحکام السلطانیہ۔ امام ماوردی۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۱۰۷ تا ۱۲۱۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۸۔

[3] حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۸۔

مدعا علیہ میں جھگڑا کس بات کا ہے۔

دوم یہ کہ اس حالت کے پیش نظر عدل و انصاف سے فیصلہ کرے۔

قاضی کو بعض اوقات مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات ایک فریق کی۔ مثلاً مدعی اور مدعیٰ علیہ ایک چوپائے کے متعلق یہ دعوے کررہے ہیں کہ اس کا مالک میں ہوں اور میرے ہی گھر میں یہ پیدا ہوا ہے یا مثلاً یہ پتھر میں پہاڑ سے اٹھا کر لایا ہوں تو یہاں کچھ اشکال ہی نہیں ہے۔ اصل حالت بالکل واضح ہے اور وہ قضیہ جو حضرت علیؓ۔ حضرت زیدؓ۔ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی پرورش کے متعلق پیش آیا تھا بالکل واضح اور صاف تھا اصل حالت تمام کو معلوم تھی۔ یہاں صرف حکم مطلوب تھا۔

اور اگر کسی نے دوسرے کے خلاف غصب کا دعوے کیا ہے اور اصل مال و متاع کی حالت بھی تبدیل ہو چکی ہے اور دوسرا غصب سے انکار کررہا ہے تو سب سے پہلے اصل حالت کے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ غصب ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد یہ حکم لگانے کی ضرورت ہے کہ یہی غصب شدہ چیز اسے دلوائی جائے یا اس کی قیمت۔ چنانچہ سرورِ کونین خاتم الانبیاء والرسل محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کے ہر دو مقام قوانین کلیہ سے منضبط کر دیئے۔ پس مقام اوّل میں صرف شہادت اور قسم کی ضرورت ہوگی اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ حقیقت حال کا انکشاف یا تو ان لوگوں کی خبر سے ہو سکتا ہے جو اصل واقعہ میں موجود تھے یا پھر یہ کہ صاحب مقدمہ کسی ایسی تاکید وثبوت کو لئے ہوئے اپنا بیان پیش کرے جس سے اس پر جھوٹ بولنے کا گمان نہ ہو سکے۔

سیّد الکونین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا؛

لو یعطی الناس بدعواھم لا دعی ناس دماء رجال و اموالھم
ولکن البینۃ علی المدعی و الیمین علی المدعیٰ علیہ۔

اگر صرف دعوے کی بناء پر لوگوں کو دیدیا جائے تو لوگ اپنے آدمیوں کے خون اور اپنے مال کا دعوے کرنے لگیں گے لیکن مدعی پر بیّنہ لازم ہے اور مدعا علیہ پر قسم۔

پس مدعی وہ ہے جو ظاہر کے خلاف دعوے کرتا ہے اور ایک زائد نئی چیز ثابت کرتا ہے اور مدعا علیہ وہ ہے جو اصل چیز پر قابض ہے اور ظاہر حال سے دلیل پکڑتا ہے۔ اس جگہ یہ عدل و انصاف نہیں ہے کہ صرف مدعی کے بینہ پر ہی اعتماد کیا جائے کہ اگر وہ بینہ اور استدلال پیش نہ کر سکا تو ظاہر حال سے جو استدلال کرتا ہے اس سے قسم ساقط کر دی جائے گی چنانچہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہاں اسی اصل اور کلیہ کی مشروعیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ لو یعطی الناس یعنی اگر اس طرح چیز دیدی جائے تو ظلم و جور کا دروازہ کھل جائے گا اس لیے حجت و دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

معیار شہادت

اس کے بعد گواہ کے اعتبار و عدم اعتبار کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شاہد معتبر اور پسندیدہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ۔ (البقرہ : ۲۸۲)

اپنے لوگوں میں سے جن پر تم رضا مند ہو گواہ کر لیا کرو۔

اور پسندیدہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ عاقل ہو۔ بالغ ہو۔ معاملہ فہم ہو اور واقعہ کو ضبط کر سکتا ہو۔ صاحب نطق و گویائی ہو۔ مسلمان ہو۔ عادل اور صاحب مروّت

ہو، قذف و تہمت کے بارے میں متہم نہ ہوا ہو۔ جیسا کہ رسول اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا۔

لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية ولا ذی غمر علی اخيه وترد شهادة القانع لاهل البيت [1]

خائن مرد۔ خائنہ عورت۔ زانی مرد۔ زانیہ عورت کی شہادت جائز نہیں اور نہ اس شخص کی گواہی معتبر ہے جو اپنے بھائی سے عداوت رکھتا ہو اور گھر کے خادم اور تابعدار کی شہادت مسترد کر دی جائیگی۔

اور قذف اور تہمت لگانے والوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (۴:۲۴)

اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہ لوگ خود فاسق ہیں

اور جو حکم قذف اور زنا کا ہے وہی دیگر تمام کبائر کا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خبر فی نفسہٖ صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے اور قرینہ ہی سے کسی ایک احتمال کو ترجیح حاصل ہوگی اور یہ قرینہ یا تو مخبر کے اندر ہوگا یا مخبر عنہ کے اندر۔ یا دونوں کے علاوہ کسی اور چیز کے اندر۔ اس قرینہ کے لیے کوئی ایسا قاعدہ اور ضابطہ نہیں ہے جسے دوران حکم کا مدار ٹھہرایا جا سکے، سوائے مخبر کی مذکورہ صفات کے کہ ظاہری قبضہ اسی کا ہے چیز اسکی ملکیت میں باقی رکھی جائیگی جس کے قبضہ میں ہے البتہ ایک مرتبہ اس امر کا اعتبار کیا جا چکا ہے کہ مدعی پر بینہ پیش کرنا لازم ہے اور مدعا علیہ کے حق میں قسم مشروع کر دی گئی ہے

انتقالِ مقدمہ مجمع النوازل کے مطابق قاضی کسی ایسے شخص کا مقدمہ سننے کا مجاز نہیں جس کے خلاف قاضی کی دشمنی ہو یا بغض، یہ رائے شیخ الاسلام

---

[1] مشکوۃ المصابیح: ۳۲۸: طبع سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ۔

ابوالحسن کی ہے۔ ایسی صورت حال میں قاضی کو چاہیئے کہ سلطان کو اطلاع دے دے کہ یہ مقدمہ اس کی عدالت سے تبدیل فرماکر کسی دوسری عدالت کو برائے سماعت بھیج دے۔

بعض فقہائے کرام کے نزدیک ایسی صورت حال میں قاضی فیصلہ کر کے سلطان کے پاس بغرض توثیق ارسال کر دے۔

سربراہ مملکت اور رعایا کے مابین دعاوی کی سماعت کا اختیار

قاضی کو سلطان (سربراہ مملکت) کے خلاف مقدمہ سننے کا اختیار رہتا ہے اسی طرح سربراہ مملکت کسی کے خلاف بطور مدعی قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے قاضی مدینہ جناب زید بن ثابتؓ کی عدالت میں، حضرت علیؓ نے قاضی کوفہ جناب شریحؒ کی عدالت میں مقدمات دائر کیئے۔

وہ مقدمات جن میں قاضی پر جانبداری کی تہمت لگ سکے ان مقدمات کی سماعت اسے نہ کرنی چاہیئے

فقہ حنفی کے مطابق ایک قاضی اپنے والد۔ والدہ۔ بچّے بیوی کے حق میں فیصلہ نہیں دے سکتا تاہم ان کے خلاف دے سکتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس پر کوئی تہمتِ جانبداری نہیں لگ سکتی۔

یکطرفہ فیصلہ دینے کا جواز

مدعا علیہ کے خلاف فقہ شافعی کے مطابق فیصلہ یکطرفہ بھی سنایا جا سکتا ہے مگر فقہ حنفی کے مطابق قاضی غیر موجود کے خلاف فیصلہ اسی صورت میں سنا سکتا ہے جب کہ اس کا نمائندہ موجود ہو۔

عورت کن مقدمات کی سماعت کیلئے "قاضیہ" مقرر کی جاسکتی ہے

امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورت ان مقدمات میں قاضی بھی بنائی جا سکتی ہے جن میں اس کی شہادت بروئے قانون قابل قبول ہے تاہم ابو جریر طبری کا کہنا ہے کہ وہ ہر نوع کے مقدمات کی سماعت کے لیے موزوں ومناسب ہے۔

خلاصۂ کلام

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اسلام میں عہدہ قضاء ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ قاضی اپنے فیصلوں میں کسی امیر کی امارت یا غریب کی غربت سے متاثر نہیں ہوتا۔ نہ ہی حکومت وقت کسی طرح اس پر کوئی دباؤ ڈالنے کا حق رکھتی ہے بلکہ حاکم وقت کے خلاف بھی قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ دینے کا قاضی مجاز ہے اور حاکم وقت اس فیصلہ کا پابند۔ اسلام میں ایسا کوئی تصور موجود نہیں ہے کہ "بادشاہ غلطی سے ماوراء ہے یا قانون کی گرفت سے بالاتر ہے"۔ حاکم ہو یا محکوم سارے خدا کے قانون کے پابند ہیں اور کسی کو دوسرے کے حقوق تلف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ہر ایک کی جان مال آبرو محفوظ قرار دی گئی ہے اور قانون اسلام کے اندر ان کا پورا پورا تحفظ موجود ہے۔

عدل و انصاف کے میزان میں مساوات کی سب سے بڑی مثال حضور اکرمؐ کا وہ فرمان مبارک ہے جو آپ نے اس موقعہ پر ارشاد فرمایا جب قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی اسامہ بن زیدؓ کو، جن سے جناب رسول اکرم نہایت محبت رکھتے تھے لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبویؐ میں بھیجا۔ آپ نے فرمایا اسامہ کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو" پھر آپ نے لوگوں کو جمع کرکے خطاب فرمایا: تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے برباد ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے! خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی

فاطمہؓ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

حضور اکرمؐ کی عدل سے محبّت کی شہادت آپ کا وہ آخری عام مجمع میں فرمان مبارک ہے جب آپ نے ارشاد فرمایا: "اگر کسی شخص کا مجھ پر کوئی قرض ہو یا امانت ہو یا کسی کی جان اور آبرو کو کوئی گزند پہنچا ہو تو وہ اس کا سرِعام دعویٰ کرے میں اس کو پورا کرنے کو تیار ہوں۔ سامعین حیران رہ گئے اور صرف ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے چند درہموں کا مطالبہ کیا جو آپ نے اسی وقت ادا فرما دیئے۔"[۱]

آج جب کہ نفاذ نظام اسلام کی طرف پوری پاکستانی قوم گامزن ہے۔ تو راستے کی تمام مشکلات پر غلبہ پانے کی صورت یہ ہے کہ ہم خلوص نیّت کے ساتھ اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کا ارادہ کریں۔ اسکی سچائی اور برکات پر مضبوط یقین رکھیں۔ پوری ہمت اخلاص۔ قابلیت۔ احساس ذمہ داری اور خدا کے حضور ہر بات اور عمل کے بارے میں جواب دہی کے تصوّر سے کام میں لگ جائیں۔ اپنی اس سعی کے دوران ہر لمحہ یہ بات ملحوظ خاطر رکھیں کہ اللہ پاک اپنے وعدے کا سچا اور پکا ہے۔ وہ ایمان والوں کی ضرور مدد فرماتا ہے نکوکاروں اور صابروں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں جدّوجہد کرتے ہیں وہ ان کو ضرور اپنی راہوں کی طرف راہنمائی بھی کرتا ہے اس پر گامزن ہونے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔ قاضی یا جج اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ وہ جس کام پر مامور ہیں یعنی لوگوں کے حقوق کو تلف ہونے سے بچانا تو یہ تو سراسر عبادت ہے اور جہاد سے افضل عبادت ہے۔

---

[۱] سیرت النبی۔ شبلی نعمانی بحوالہ ابن اسحاق جلد دوم ص ۲۴۵۔